قائدِ اعظمؒ اور تحریکِ آزادیٔ کشمیر

آغا حسین ہمدانی

کشمیر کی قدیم تاریخ پانچ ہزار سال ق م سے شروع ہوتی ہے۔ قبل از اسلام یہاں ہندوؤں کی حکومت تھی۔ جب اشوک نے ۲۵۰ ق م میں کشمیر کو فتح کیا تو ہندومت کی جگہ بدھ مت نے لے لی جس کے پیروکاروں کی حکومت نو سو سال تک قائم رہی۔ اگرچہ راجہ ہرش کے دورِ حکومت میں بعض مسلمان کشمیری فوج میں ملازم تھے[1] مگر کشمیر میں اسلام کی مؤثر اور منظم تبلیغ چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ اور اسلام کے پہلے صوفی مبلغ حضرت بلبل شاہ نے ۱۳۲۰ء میں سرزمین کشمیر پر اپنا مبارک قدم رکھا[2]۔ اس وقت کشمیر کا حاکم رنچنا تھا۔ جو بدھ مت کا پیروکار ہونے کے باوجود اس مذہب سے غیر مطمئن تھا اور حق کی تلاش میں تھا۔ اس کی ملاقات جب حضرت بلبل شاہ سے ہوئی تو وہ اسلام کی سادہ تعلیمات اور شاہ صاحب کے ذاتی کردار سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا اسلامی نام سلطان صدرالدین رکھا گیا۔ اسی کے ہاتھوں کشمیر میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ سلطان شہاب الدین کے عہدِ حکومت (۱۳۷۲ء) میں اسلام کا ایک بڑا عالم اور صوفی سید علی ہمدانی وادیٔ کشمیر میں سات سو ساتھیوں کے ہمراہ وارد ہوا۔ کشمیر میں اسلام کی تعلیم کو عام کیا اور اس نے مختلف مقامات پر مکتب، شفاخانے اور صنعت گھر قائم کئے۔ سید علی ہمدانی کی مساعی سے ۳۷ ہزار کشمیری اسلام لائے[3]۔ سلاطین کشمیر ۱۵۵۴ء تک برسرِ اقتدار رہے اور پھر چک خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ جس کا خاتمہ ۱۵۸۶ء میں ہوا۔ اکبر نے کشمیر فتح کر کے اسے

---

(1) Stein, M.A., Kalhana's Rajatarangini, (London) p. 397

(2) B.P.N. Kaul, A History of Kashmir (Dehli, 1962), p. 287

(۳) شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر (لاہور ۱۹۶۵ء) ص ۳۷۷

سلطنت مغلیہ میں داخل کر لیا۔ برصغیر میں مغلوں کی حکومت کمزور ہوتے ہی کشمیر ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور ۱۷۵۰ء میں احمد شاہ ابدالی نے اسے فتح کرکے افغان حکومت قائم کی جو ۱۸۱۹ء تک رہی۔ پھر ۱۸۱۹ء میں رنجیت سنگھ نے کشمیر پر اپنا تسلط جما لیا۔ سکھ حکومت تیس سال تک قائم رہی۔ انگریزوں نے ۱۸۴۶ء میں سکھوں کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کیا تو گلاب سنگھ والئ جموں نے معاہدہ امرتسر کے تحت کشمیر کو ۷۵ لاکھ روپے کے عوض خرید لیا۔ گلاب سنگھ پوری ریاست جموں کشمیر کا مالک بن گیا اور یوں ڈوگرہ حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ ڈوگرہ راج تاریخ کا بدترین دور تھا۔ مسلمانوں کو سیاسی و معاشی طور پر ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ بھاری ٹیکس عائد کئے گئے۔ مسلمان زمینداروں کا استحصال کیا گیا۔ ڈوگرہ حکومت نے 'جبری محنت' کے ظالمانہ سلوک کو رائج کیا۔ جس کے متعلق سردار ابراہیم نے بحوالہ مسٹر نائیٹ لکھا ہے:

"ان مظلوم انسانوں کے قافلے کا منظر اس وقت نہایت دردناک ہوتا تھا۔ جب یہ منوں اجناس اپنے سر پر اٹھائے موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں استوا سے گلگت جانے والے ویران راستوں پر چل رہے ہوتے تھے۔ یہ منظر سائبیریا کی سڑکوں کی یاد دلاتا ہے۔ یہ لوگ کوئی مجرم نہیں کاشت کار مسلمان ہیں"۔[1]

آزادی اور حریت ایک مسلمان کی فطرت میں داخل ہے۔ آزادی کی اس تڑپ نے جنگ عظیم کے بعد سے ریاست جموں و کشمیر کے مختلف علاقوں میں متعدد بار مظلوم مسلمانوں کو ڈوگرہ راج کے خلاف آواز اٹھانے پر مجبور کیا۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں پہلی بار کشمیری مسلمانوں نے وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ سے ملاقات کرکے ڈوگرہ راج کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ کشمیری عوام کو ان کے حقوق دیئے جائیں۔[2] لارڈ ریڈنگ کے کہنے پر مہاراجہ نے ایک کمیٹی مقرر کی مگر وائسرائے کی واپسی کے بعد مہاراجہ نے مطالبہ کرنے والے مسلمانوں کو جیل بھیج دیا اور بعض کو ریاست بدر کر دیا۔ اس زمانہ میں جمّوں کے چند تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں نے جن میں چوہدری غلام عباس[3] پیش پیش تھے، "ینگ مسلم ایسوسی ایشن قائم کر لی۔ جس کا پہلا

---

(۱) Sardar Mohammad Ibrahim Khan, The Kashmir Saga (Lahore, 1965) p-14

۲۔ سلیم خان گیمی، کشمیر ادب و ثقافت (کراچی ۱۹۶۳ء)، ص ۲۵

۳۔ چوہدری غلام عباس ۴ فروری ۱۹۰۴ء کو جموں کے متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مقامی مشن اور گورنمنٹ اسکولوں سے انٹرنس کیا۔ طالب علمی کے دوران سیاست میں داخل ہوئے اور ینگ مینز ایسوسی ایشن (باقی اگلے صفحہ پر)

اجلاس ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ ایسوسی ایشن نے دو اہم خدمات انجام دیں۔ ایک تو جموں کے مسلمانوں میں سیاسی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے کا شوق پیدا کیا۔ اور دوسرا ایسوسی ایشن کے پلیٹ فارم سے وہ لیڈرشپ عوام میں متعارف ہوئی جس نے آگے چل کر ریاست کی سیاست میں اہم رول ادا کیا۔

وادئ کشمیر میں سیاسی شعور کا دور جموں سے بہت بعد میں شروع ہوا۔ سری نگر میں سیاسی کام کی ابتدا کرنے والے وہ مسلمان نوجوان تھے جو ہندوستانی یونیورسٹیوں میں تعلیم سے فارغ ہو کر ریاست پہنچے تھے۔ ان نوجوانوں کی باقاعدہ تنظیم شیخ عبداللہ[1] نے کی۔ شیخ عبداللہ ۱۹۳۰ء میں جموں آئے تو چوہدری غلام عباس سے ملاقات ہوئی اور اس طرح دونوں تنظیمیں ایک دوسرے سے متعارف ہوئیں۔ اسی ملاقات میں سری نگر میں "ینگ مینز ایسوسی ایشن" کی شاخ قائم کرنے کی منظوری ہوئی۔ شیخ عبداللہ اور چوہدری غلام عباس نے آگے چل کر تحریکِ آزادئ کشمیر میں ایک نئی روح پھونکی۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے عہد کے موقعہ پر خطبہ نماز پر جو جھگڑا ہوا، اس سے تحریک آزادی ایک نئے اور اہم مرحلہ میں داخل ہو گئی۔ بقول چوہدری غلام عباس اگر یہ دن کیلنڈر میں موجود نہ ہوتا تو یقیناً ریاست کشمیر کی سیاسی تاریخ جو ۱۹۳۱ء سے آج تک مرتب ہو رہی ہے، بالکل مختلف ہوتی[2] ۱۹۳۲ء میں پہلی بار کشمیر میں مسلم کانفرنس منعقد کی گئی جس کا اوّلین مطالبہ ریاست میں زرعی اصلاحات نافذ کرنا تھا۔ یہ کانفرنس ۱۹۳۸ء تک

(گزشتہ صفحہ سے آگے) کا احیاء کیا۔ بی۔ اے کے بعد کچھ عرصہ سرکاری ملازمت کی۔ ۱۹۳۱ء میں لاہور سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد زندگی تحریک آزادئ کشمیر کی تاریخ کا لازمی جزو بن گئی۔ (ممتاز احمد، مسئلہ کشمیر (لاہور ۱۹۷۰ء) ص ۳۷)

[1] شیخ محمد عبداللہ جس نے کشمیر کی سیاست میں اہم رول ادا کیا، دسمبر ۱۹۰۵ء میں سری نگر کے ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ ۱۹۲۲ء میں سری نگر سے ایف ایس سی کر کے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور پھر ۱۹۲۸ء میں علی گڑھ سے ایم ایس سی کیا۔ علی گڑھ سے واپسی پر سری نگر کے ایک اسکول میں کچھ عرصہ کام کیا۔ پھر استعفیٰ دے کر ساری توجہ سیاسی جدوجہد کی طرف مبذول کر دی۔ (ممتاز احمد، کتاب سابقہ، ص ۳۹)

[2] چوہدری غلام عباس، کشمکش (اردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۵۰ء) ۵۳

کشمیریوں کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی اصلاحات کے لئے سرگرم عمل رہی۔

جون ۱۹۳۸ء مسلم کانفرنس کے اجلاس میں شیخ عبداللہ نے یہ تجویز منظور کرائی کہ اس تنظیم کا نام تبدیل کر کے نیشنل کانفرنس رکھا جائے۔ دراصل شیخ عبداللہ کانگریسی لیڈروں کے خیالات سے بہت متاثر تھے۔ اور وہ ریاست کشمیر میں کانگریسی فکر کو رائج کرانے کے لئے ایک نیشنلسٹ تنظیم قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ دوسری طرف مسلم کانفرنس کے وہ ممبر مثلاً چوہدری غلام عباس اور سردار گوہر الرحمٰن وغیرہ نے مسلم کانفرنس کو از سرِ نو زندہ کیا اور اپنا سیاسی مستقبل مسلم لیگ سے وابستہ کر دیا۔ اس زمانے میں مسلم لیگ قائد اعظم کی قیادت میں مسلمانانِ ہند و پاک کی آزادی کے لئے کام کر رہی تھی۔ لہٰذا قائد اعظم نے ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء میں ریاست کشمیر کی تحریکِ آزادی کے متعلق یہ بیان دیا:-

"ریاستوں میں یہ شورش کیوں ہے۔ حیدر آباد میں آریہ سماجیوں اور ہندو مہاسبھائیوں کی تمام طاقتیں کیوں جمع کی جا رہی ہیں۔ کانگریس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کشمیر میں کیا کر رہی ہے؟ آریہ سماجی، ہندو مہاسبھا کی کانگریس قوم پرست اور کانگریس اخبار یہ سب کشمیر کے معاملے میں کیوں چپ سادھے ہوئے ہیں؟ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر ہندو ریاست ہے یا اس وجہ سے کشمیر کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔"[1]

قائد اعظمؒ نے قرارداد پاکستان (۱۹۴۰ء) کے اجلاس میں مسلم کانفرنس کے زعماء کو شرکت کے لئے دعوت نامے بھیجے تاکہ مطالبہ پاکستان میں وہ تمام عناصر ہم زبان ہوں جو اس کے اجزائے ترکیبی میں شامل ہیں۔

قائد ریاست کشمیر پر ڈوگرہ ظلم و تشدد کے سخت خلاف تھے اور انھوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اس تحریک کو ہر ممکن تقویت پہنچانے کی سعی کی۔ خواہ وہ مسلم کانفرنس کی جانب سے ہو یا نیشنل کانفرنس کی طرف سے۔ لہٰذا آپ نے کانگریس کے ساتھ شدید نظریاتی اختلاف کے باوجود شیخ عبداللہ کی دعوتِ استقبالیہ میں نہایت فراخدلی سے شرکت کی۔ اور سری نگر میں نیشنل کانفرنس کے سپاس نامے کا یوں جواب دیا:-

"کشمیر کی تحریک آزادی میں ریاست کی مسلم اکثریت کے ساتھ ہندو اور سکھ اقلیتیں بھی شامل ہیں اور اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ کشمیر پر ڈوگروں کا قبضہ ناجائز اور غاصبانہ ہے۔ مسلم لیگ ریاست کی تحریک

---

[1] قائد اعظم، اجلاس مسلم لیگ، پٹنہ، ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء

آزادی میں ریاستی عوام کے ساتھ ہے۔[1]"

قائد نے مسلم کانفرنس کی حمایت کے لئے انہیں مسلم لیگ کی باقاعدہ اعانت کا یقین دلایا اور کشمیر کے دورہ ۱۹۴۳ء کے دوران مسلم کانفرنس کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کشمیر میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے، اکثریت کا فرض ہے کہ وہ وطن کو آزاد کرانے کی جدوجہد کرے۔ اگر ریاست کی اقلیتیں اس جدوجہد میں اکثریت کا ساتھ دیتی ہیں تو ان کے اس جذبہ حب الوطنی کی قدر کرنی چاہیئے اور حصولِ آزادی کے بعد ان کے ساتھ فراخدلانہ برتاؤ کرنا چاہیئے تاکہ وہ بھی اکثریت کی طرح آزادی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکیں[2]

۱۹۴۶ء میں مسلم کانفرنس کے زعماء قائداعظم سے شملہ میں ملے تو یہ فیصلہ ہوا کہ قائداعظم کو کشمیر کے حالات سے باخبر رکھنے کے لئے مسلم کانفرنس اپنا رابطہ قائم رکھے گی۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے ۵ جون ۱۹۴۶ء کو قائد نے کہا:۔

"کشمیر سے متضاد اطلاعات آرہی ہیں۔ مسلم کانفرنس کے جن لیڈروں نے مجھ سے شملہ میں ملاقات کی تھی۔ انھوں نے مجھے رپورٹ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جھگڑے کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ مگر حکومت کا طریقہ تشدد کا ہے۔ اور ہر جگہ مسلمان ہی نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جب تک رپورٹ نہ پہنچے میں اپنی رائے کے اظہار سے اجتناب کروں گا۔ مگر میں کشمیر کے مہاراجہ اور وہاں کے وزیراعظم سے یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ براہ مہربانی آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی بے گناہ مسلمان کو کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچے۔ میں اس بات پر زور دوں گا کہ لاپرواہی سے کام نہ لیا جائے ورنہ آپ مسلمانوں کو اس آگ میں کودنے پر مجبور کر دیں گے۔"[3]

قائد کے ان الفاظ سے مسلم کانفرنس کو مزید تقویت پہنچی لہذا انھوں نے جون ۱۹۴۶ء میں ایک قرارداد کے ذریعے ریاست کے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ڈائریکٹ

---

[1] میر غلام احمد کشفی، کشمیر ہمارا ہے۔ لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۲۹۷

[2] ۔ ایضاً ۔ ص ۲۹۸ ۔

[3] قائداعظم، اجلاس مسلم لیگ کونسل دہلی ۵ جون ۱۹۴۶ء

ایکشن کے لئے تیار ہو جائیں۔ ڈائریکٹ ایکشن کی تفصیلات طے کرنے کے لئے مسلم کانفرنس کا اجلاس ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ہونے والا تھا۔ مہاراجہ نے اس پر پابندی لگائی اور کانفرنس کے کئی رہنماؤں کو جن میں چوہدری غلام عباس بھی شامل تھے، جیل بھیج دیا۔ اس کے باوجود مسلم کانفرنس نے ۱۹۴۷ء کے عام انتخابات میں کشمیر اسمبلی کی ۲۱ میں سے ۱۵ نشستیں حاصل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مسلم کانفرنس ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو جب حکومتِ برطانیہ نے ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا تو ریاستوں کے بارے میں طے پایا کہ ریاستوں کے حکمران بھارت یا پاکستان جس کے ساتھ چاہیں الحاق کر سکتے ہیں۔ اس پر قائد نے مسلم کانفرنس کے زعماء سے ۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو ملاقات کی۔ جس کے بعد قائد نے کہا:

"کشمیر مسلمانوں کے ذہن اور توجہ پر چھایا ہوا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ آیا کشمیر پاکستان میں شامل ہو رہا ہے۔ میں ایک سے زائد مرتبہ یہ واضح کر چکا ہوں کہ ہندوستانی ریاستیں اس امر کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں کہ وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہوں یا ہندوستان کے ساتھ یا خود مختار آزاد ہوں! اس میں شک نہیں کرنا چاہیئے کہ مہاراجہ اور حکومتِ کشمیر اس مسئلہ پر انتہائی توجہ اور خلوصِ نیت سے غور کریں گے۔ اور صرف حکمرانی کے مفادات کو ملحوظ نہ رکھیں گے۔ لیکن عوام کے مفادات کا بھی خیال رکھیں گے۔ ہم پہلے بھی واشگاف الفاظ میں کہہ چکے ہیں کہ ہم کسی ریاست کو مجبور کریں گے، نہ ڈرائیں دھمکائیں گے نہ کسی اور قسم کا دباؤ ڈالیں گے۔"[1]

قائد کا یہ بیان مسلم لیگ اور پاکستان کی کشمیر اور دیگر ریاستوں کے متعلق پالیسی کا ایک شاندار باب ہے اور اسی نصب العین کے تحت مسلم کانفرنس نے جو ریاست کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تھی، ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو ایک قرار داد کے ذریعے پاکستان کے ساتھ الحاق کا رسمی طور پر اعلان کر دیا۔ قرار داد حسب ذیل تھی:-

"مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی حالات، مجموعی آبادی کی اسّی فی صد مسلم اکثریت، پنجاب کے اہم دریاؤں کی ریاست میں سے گزرگاہیں، زبان، ثقافتی، نسل، معاشی تعلقات

---

[1] قائد اعظم مسئلہ کشمیر، نوائے وقت راولپنڈی، ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء

اور ریاست کی سرحدوں کے پاکستان سے اشتراک یہ سب حقائق اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کرے"۔ لہ

لیکن مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے خلاف کانگریس بھی ریاست کشمیر کو ایک سازش کے ذریعے ہتھیانے کے لئے مصروفِ عمل تھی۔ ۱۹۴۶ - ۱۹۴۷ء کے ایک حصے میں بڑے بڑے کانگریسی لیڈر، گاندھی جی، کرپلانی اور دوسرے کانگریسی رہنما مہاراجہ کی حکومت کے ساتھ ساز باز میں مصروف تھے اور ساتھ ہی ساتھ نیشنل کانفرنس کے جلاوطن لیڈر شیخ محمد عبداللہ، بخشی غلام محمد سے، جو قید میں تھے ملاقاتیں جاری رکھیں۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شیخ عبداللہ کو اچانک مہاراجہ نے رہا کر دیا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ نے کشمیر کا بھارت سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ ۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو نیشنل کانفرنس نے شیخ عبداللہ کی سربراہی میں حکومت کا انتظام سنبھال لیا۔ اور مسلم کانفرنس کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ ڈوگرہ راج کے اس اقدام پر ریاست کشمیر میں آزادی کی لہر دوڑ چکی تھی اور مسلم کانفرنس کے زعماء سردار محمد ابراہیم خان اور سردار عبدالقیوم خان کی قیادت میں مجاہدینِ آزادی نے ریاست کا ایک بڑا حصہ مہاراجہ کے چنگل سے آزاد کرا لیا اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک آزاد جموں و کشمیر حکومت قائم کر دی گئی۔

اس الحاق پر قائد نے فرمایا:۔

"ہری سنگھ نے ریاستی عوام کی مرضی کے خلاف بھارت کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کی جس سے کشمیری عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اس الحاق کے مخالفین میں مسلم اکثریت کے علاوہ غیر مسلموں کی اکثریت بھی ہے، جو ہری سنگھ کے اس اقدام کو ریاست اور ریاستی عوام کے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کشمیری عوام نے ہری سنگھ سے اپیل کی کہ وہ ریاست کے مستقبل کو پاکستان کے ساتھ شامل کرے۔ لیکن اس نے ذاتی اقتدار کی ہوس میں اس عوامی مطالبہ کی طرف توجہ نہ دی اور ان کو دبانے کے لئے طاقت استعمال کی۔ لیکن عوام نے طاقت کا جواب طاقت سے دیا اور ہری سنگھ کو ریاست سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنا اقتدار بچانے کے لئے بھارت کی پناہ لی۔ جو اس بات کا

لہ ممتاز احمد۔ کتاب سابقہ۔ ص ۷۸

بین ثبوت ہے کہ کشمیر بھارت میں شامل نہیں ہوا بلکہ ہری سنگھ شامل ہوا ہے۔"[1]

قائداعظم نے مسئلہ کشمیر کو پُرامن طریقے سے حل کرنے کے لئے بھارتی حکمرانوں کو یہ پیش کش کی کہ پاکستان اور بھارت کے گورنر جنرل کی نگرانی میں کشمیر میں استصواب رائے عامہ کرایا جائے اور کشمیر کے عوام جو فیصلہ کریں، دونوں حکومتیں اسے تسلیم کرلیں۔ لیکن بھارت نے اس تجویز کو مسترد کرکے کشمیر پر فوجی قوت کے ذریعے قبضہ کرنے کے لئے حملہ کردیا۔ قائد کو جب اس حملہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے حکم دیا کہ بھارتی جارحیت کو روکنے کے لئے وادیٔ کشمیر میں پاکستانی فوج بھیج دی جائے۔ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے یکم نومبر کو قائد اور لارڈ مونٹ بیٹن کی ملاقات لاہور میں ہوئی۔ اے۔ کے جانسن اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ "اس ملاقات میں قائد نے الزام لگایا کہ کشمیر میں جو سنگین حالات پیدا ہوئے ہیں، ان کی ذمہ داری حکومتِ ہندوستان پر ہے۔"[2] قائد نے لارڈ مونٹ بیٹن کے سامنے سہ نکاتی تجاویز پیش کیں۔ (۱) فوری جنگ بندی (۲) افواج کی واپسی (۳) استصواب رائے۔ لیکن بھارتی حکمرانوں نے ان تجاویز کو ماننے کی بجائے مسئلہ کشمیر کو یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو اقوامِ متحدہ میں پیش کردیا۔ اقوامِ متحدہ میں کشمیر کے مسئلہ سے متعلق قائد نے اپنے وزیر خارجہ کی قیادت میں ایک وفد روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ کوئی قرارداد اس وقت تک منظور نہ کی جائے جب تک اس میں استصواب رائے کے طریق کار کا تفصیلی ذکر نہ کیا جائے۔ اس وفد کے ایک ممبر اصفہانی صاحب کا کہنا ہے کہ میں مسلسل امریکہ سے قائد کو مسئلہ کشمیر سے متعلق تمام کارروائی سے آگاہ کرتا رہا جس سے وہ بڑے خوش ہوئے۔ قائد نے اپنے ایک خط بنام اصفہانی یہ لکھا کہ ہم ان سب مسائل سے جن کا ہمیں سامنا ہے، کامیابی سے عہدہ برآ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہمارا مؤقف برحق ہے اور ہم صورتحال کا دیانتداری سے مقابلہ کر رہے ہیں اور عدل و انصاف کے لئے لڑ رہے ہیں۔[3]

---

[1] میر غلام احمد کشفی، کتاب سابقہ، ص ۳۰۰

[2] A.K. Johson, Mission with Mountbatten بحوالہ جی الانہ۔ قائداعظم جناح (کراچی ۱۹۷۰ء) ص ۵۹۰

[3] حسن اصفہانی، قائداعظم جناح، (کراچی ۱۹۶۸ء) ص ۴۰۸

قائد کو اس امر کے بارے میں مطلقاً شک نہیں تھا کہ حق و انصاف کی جنگ میں ہماری کامیابی یقینی ہے اور کشمیر کا مسئلہ انصاف کے اصولوں کے تحت حل ہو جائے گا۔ کشمیر کو وہ پاکستان کا ایک لازمی جزو تصوّر کرتے تھے جیسا کہ انھوں نے اپنی وفات سے چند روز قبل کہا تھا کہ کشمیر سیاسی اور فوجی اعتبار سے پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کوئی باغیرت قوم اور خوددار ملک یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اپنی شہ رگ کو دشمن کی تلوار کے حوالے کر دے۔ مگر افسوس کہ کشمیر کی آزادی کا یہ داعی اپنی زندگی میں اپنے نصب العین کو نہ پا سکا اور ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اپنے دل میں اس بہت بڑے صدمے کو سمیٹے ہوئے اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح اپنی کتاب "میرا بھائی" میں لکھتی ہیں کہ قائد اعظم جب موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے تو غشی کی حالت میں بھی ان کی زبان پر مسئلہ کشمیر بھی زندہ تھا اور موت سے چند لمحے پہلے وہ بے ہوشی کے عالم میں بڑبڑا رہے تھے کہ حقِ خودارادیت کشمیر کے مسلمانوں کو ضرور ملے گا۔ "کشمیر.... انہیں دیں..... حق.... فیصلہ کرنا...."[۱] یہ تمام واقعات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ قائد کو کشمیر اور مسلمانانِ کشمیر کی آزادی بہت عزیز تھی۔

OO

---

۱ Fatima Jinnah, My Brother, (Quaid-i-Azam Paper's Cell, Islamabad)